کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

کلامِ عارف پر ایک نظر

(از محترمہ حمیدہ سلطانہ ادیبِ فاضل)

برہان بابت فروری سنہ ۴۷ء میں نواب زین العابدین خاں عارف پر محترمہ حمیدہ سلطانہ کا ایک مقالہ شائع ہوا تھا جو اس وقت علمی وادبی حلقوں میں بنظر پسندیدگی دیکھا گیا تھا ذیل کا مضمون اس مقالہ کا تکملہ ہے۔ (برہان)

عارف کا کلام ہموار نہیں ہے اس کی وجہ اس کا وہ بکھراؤ ہے جو غدر میں تلف ہو جانے کی وجہ سے ہوا۔ عارف کے تمام اشعار کو تو بلند نہیں کہا جا سکتا لیکن ان میں سے اکثر نفسِ شاعری کی جان ہیں اور سادہ الفاظ کی سطح کے نیچے عمیق معنی اس طرح پنہاں ہیں کہ گویا عارف کے قالب میں غالب کی روح بول رہی ہے۔

عارف کے کلام میں تصوّف کی چاشنی بہت ہے لیکن ان کا تصوف کوئی شغلِ دلچسپی نہیں اور نہ ان کی شاعری محض خیالی شاعری ہے بلکہ وہ حقائق سے لبریز ہے اس بنا پر ان کو اپنے معاصر شعرا میں ایک امتیازی درجہ دیا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی تو ان کا تخیل اس درجے بلند ہو جاتا اور طرزِ بیان ایسا دلنشین ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاصرین سے بھی سبقت لیجاتے ہیں۔

عارف کے کلام میں شوخی وظرافت کے بجائے حسرت ویاس کا عنصر زیادہ ہے متانت ان کے کلام کی خاص صفت ہے۔ عریاں خیالات اور لغو باتوں سے عارف کی شاعری بالکل پاک ہے۔ نازک سے نازک مقامات پر دامن بچا کر عارف اس طرح آنکھیں بند کئے ہوئے گذر جاتے ہیں کہ بے اختیار مُنہ سے دادِ تحسین نکل جاتی ہے۔ اور یہی ایک اچھے شاعر کی شان ہے۔ ان کے تخیل کی پرواز بہت بلند ہے

ایک موقع پر خود ہی فرماتے ہیں ؎

دیکھئے جو ہنے دے یہاں بلندئ ہمت　　　سدرہ پر بنایا ہے ہم نے آشیاں اپنا

ایک غزل میں اپنی عالی نسبی کا اس طرح ذکر کرتے ہیں ؎

رتبہ ہمارے جد[1] کا فرشتوں سے پوچھئے　　　کیا اپنے خاندان کا بیان سلسلہ کریں

کلام عارف کا تاریخی اور واقعاتی حصہ

عارف مرحوم صاحب عالم مرزا فخرو فتح الملک بہادر کے بھی استاد تھے نواب معظم زمان بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ ان کو صاحب عالم بہادر اکیسو بیس روپے ماہوار استادی کی تنخواہ دیتے تھے چنانچہ دیوان عارف میں ایک قصیدہ فتح الملک بہادر کی شان میں ہے اور اس سے اس واقعہ پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

ہے سر پہ میرے سایۂ دامان فتح ملک　　　کیا شکر ہوں ادا کرم ذوالجلال کے

نیساں میں ابر اٹھتے ہیں جتنے ادھر اُدھر　　　ممنون ہیں شاہزادۂ دریا نوال کے

عارف اور نواب ضیاؤ الدین احمد نیر رخشاں میں معاصرانہ چشمک تھی یہ دونوں صاحب علم و ادب کے دلدادہ تھے۔ اور دونوں ہی حضرت غالب کے محبوب شاگرد اور عزیز تھے اس لئے کبھی کبھی شاعرانہ چوٹیں آپس میں چل جاتی تھیں۔ دیوان عارف میں ایک قطعہ ہے۔ اس قطعہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت غالب تورانی النسل ہونے کے باعث تفضیلی عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے فیضان صحبت نے عارف کے دل میں بھی اہلبیتؑ اطہار کی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔

ایک مرتبہ باہمی چشمک کے باعث نیر رخشاں نے حضرت غالب کو عارف کی جانب سے بدظن کر دیا اور وہ اپنے پیارے شاگرد سے کچھ آزردہ ہو گئے تو عارف نے یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔

قبلۂ جان و دل ترا فدوی　　　تجھکو کہوے برا یہ طاقت ہے

---

[1] عارف کے آبا و اجداد محمد بن حنفیہ بن حضرت علیؑ شیر خدا کی اولاد میں سے تھے۔

اسد اللہ نام ہے تیرا — اس بزرگی کی کچھ نہایت ہے
ورد نام بزرگ کا تیرے — اس میں کچھ شک نہیں عبادت ہے[1]
حق نے سب پر کیا تجھے غالب — تجھ سے روکش ہو کس کی طاقت ہے
مجھکو زیبا ہے جتنا ناز کروں — مجھ پہ جب یہ تری عنایت ہے
عرض کرتا ہوں شکوۂ حساد — گرچہ میری خلافِ عادت ہے
وہ سبب میں بیان کرتا ہوں — ان کی جس وجہ یہ شرارت ہے
فیضِ صحبت سے تیری تیرا غلام — جو بدل قائلِ امامت ہے
نیر و محو ہیں مرے دشمن — آسمان کی انھیں نیابت ہے
ان کی کیا کیا صفت کروں تحریر — ایک آفت ہے ایک قیامت ہے
ایک جلتا ہے رشک سے دائم — بسکہ عزت انھیں نہایت ہے
دوسرا محوِ کینہ جوئی ہے — یہ ہمیشہ سے اس کی عادت ہے
زور کرتے ہیں ناتوانوں پر — زوف ہے گر یہی شجاعت ہے
ہیں وہ سارے جہان کے جھوٹے — قول میں اُن کے کب صداقت ہے

محو سے مراد غالباً نواب غلام حسین خاں محو ہیں۔ عارف مرحوم نیر و محو دونوں کے شاکی ہیں۔ حضرت غالب نے نیر و عارف کی اس معاصرانہ چشمک کی طرف ہی اشارا کرتے ہوئے عارف کی وفات پر لکھا ہے۔

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی — بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

لیکن ان شکر رنجیوں نے عارف و نیر کی باہمی دوستی اور عزیزانہ تعلقات پر ایسا اثر نہیں

[1] حضرت علیؓ کے لقب کی طرف اشارہ ہے۔

ڈالا تھا کہ وہ واقعی عناد کی صورت اختیار کر لیتی۔ عارف مرحوم کا دل نیر کی سچی محبت سے لبریز تھا اور اس صداقت و خلوص کی بنا پر انھوں نے دو مدحیہ چیزیں نواب نیر کے لئے لکھیں جو اُن کے دیوان میں موجود ہیں ایک میں لکھتے ہیں

روشن سوا ہے ذات تری آفتاب سے — حائل ہوں پردے چشم کے تو آئے کیا نظر
حق نے ضیائے دینِ محمدؐ تجھے کیا — سو پردوں میں بھی نور ترا نکلے چیر کر
تو دوسرا ہے نیرِ اعظم جہان میں — بے پردہ تجھ پہ راز ہیں عیسیٰ[1] کے سربسر

پھر دوسری جگہ اس طرح گوہر فشانی کرتے ہیں۔

پیدا ہوا جہاں میں وہ فخرِ روزگار — قدموں کے ساتھ جس کے لگی آئی ہے بہار
تیرے نسیمِ خلق سے کھلتا ہے مثلِ گل — جس جس کا دل گرفتہ ہے عالم میں غنچہ وار
رہتا ہے یا علیؑ ترے وردِ زباں سدا — کیا بہترین وظیفہ کیا تو نے اختیار
یہ نام وہ ہے جس پہ ہے روح الامینؑ فدا — یہ نام وہ ہے جس پہ جہاں سربسر نثار
مشکل کشائے ہر دو جہاں ہے وہ ذاتِ پاک — وابستہ اُس کے ساتھ ہے سب کا کشادِ کار
وہ ہمدمِ رسولؐ ہے وہ ہمدمِ رسولؐ — وہ شیرِ کردگار ہے وہ شیرِ کردگار
معلوم کر سکے ہے کوئی مرتضیٰؓ کی شان؟ — عالم میں جز رسولؐ و بجز آفریدگار
اولادِ مرتضیٰ میں کیا حق نے جب تجھے — ہمرتبہ تیرا کون ہے نواب نامدار
لایا ہوں نذر کو یہ قصیدہ ترے حضور — الطافِ عام سے ترے ہو کر امیدوار
عارف قلم کو رکھ دے اٹھا جلد دونو ہاتھ — بہرِ دعا بدرگہ دادارِ کردگار
ہو کامیاب خلق ترے باغِ خلق سے — جبتک ریاضِ دہر میں آیا کرے بہار

[1] مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر جو فلک خورشید کہلاتا ہے تشریف رکھتے ہیں۔

عارف وغالب | عارف نے ان زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ جو حضرت غالب کے اشہب خیال کی جولانگاہ رہیں۔ نمونہ کے لئے اشعار ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

غالب۔ منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے — عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

عارف۔ دیکھیے جو رہنے دے یہاں بلندی ہمت — سدرے پر بنایا ہے ہم نے آشیاں اپنا

غالب۔ اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعدِ مرگ — ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

عارف۔ ہے تیری جستجو کا مجھے موت پر بھی شوق — بیساختہ جو ہلتے ہیں اندر کفن کے پاؤں

غالب کا شعر بہت بلند ہے مگر دیکھیے عارف بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ چل رہے ہیں۔

غالب۔ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

عارف۔ کیجیے ہے دل میں عارف عالمِ بالا کی سیر — اب تو کچھ اس خاکداں میں دل بہت گھبرائے ہے

غالب۔ ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں

عارف تمہیں کھنچوا کے بلانا ہمیں منظور نہیں — ورنہ یہ جاذبۂ عشق سے کچھ دور نہیں

غالب دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں — یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

عارف کیونکر رفو کرے گا مرا جیب بخیہ گر — باقی خدا کے فضل سے اک تار بھی نہیں

غالب دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی — حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

عارف دامن سے جسمِ زار جو اُلجھا تو کیا ہوا — جھٹکو نہ اس طرح سے کہ یہ خار بھی نہیں

غالب رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو — ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

عارف سب سے بہتر ہے کہ مجھ پر مہرباں کوئی نہ ہو — ہمنشیں کوئی نہ ہو اور رازداں کوئی نہ ہو

غالب جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

عارف دھوکے میں آکے باغِ جناں میں چلے گئے — دل میں گمان کوچۂ جاناں کیے ہوئے

غالب — اپنی گلی میں مجھکو نہ کر دفن بعدِ قتل — میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

عارف — پھرتا ہوں ساتھ گھر لئے خانہ بدوش ہوں — جبتک نہ میں ملوں تو مرا کس کو گھر ملے

عارف نے حضرتِ غالب کی بعض غزلوں پر بند بھی لگائے ہیں مثلاً:۔

مدت ہوئی ہے عیش کا ساماں کئے ہوئے — روشن چراغ مہ سے شبستاں کئے ہوئے

مدت ہوئی ہے حجرہ گلستاں کئے ہوئے — مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے

جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

عارف میں پاکے بوئے دل آغوش اشک سے — بھرتا ہوں جام چشم کو سر جوش اشک سے

آتی ہے یہ صدا لبِ خاموشِ اشک سے — غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے

بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

دیگر

ساتھ تیرے مجھے نسبت ہی سہی — کچھ نہ کچھ ہووے فضیحت ہی سہی

تجھکو عزلت مجھے ذلت ہی سہی — عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی

میری وحشت تری شہرت ہی سہی

آپ کو عشق میں کھو ڈالیں گے — رونا آوے گا تو رو ڈالیں گے

آرزو سینے سے دھو ڈالیں گے — ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے

بے نیازی تری عادت ہی سہی

حضرت غالب کے رنگ میں کامیابی کے ساتھ شعر کہنا اور غالب جیسے نازک خیال شاعر کی غزلوں پر بند لگانا معمولی کام نہیں مگر اقتباساتِ بالا سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عارف کی تضمینیں بھی کچھ کم قابلِ قدر نہیں ہیں۔

عارف کا نعتیہ کلام — عارف کا دل پاکیزہ جذبات کا ایک بحرِ بیکراں تھا جس سے معرفت و تصوف کے چشمے ہمیشہ اُبلتے رہتے تھے۔ ان کا بیشتر کلام حقائق و معرفت سے لبریز بلند تخیل کا حامل اور کثافت سے پاک ہے۔ سرورِ کائنات صحابہ کبار اہلبیت اطہار اور اولیائے کرام سے ان کو دلی عقیدت تھی ان کا دل مئے حُبِّ نبیؐ سے سرشار تھا۔ سرورِ دوعالم کی شان میں جھوم جھوم کر انھوں نے مدح سرائی کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بیاں میں کیا کروں شانِ محمدؐ | خدا جب ہو ثنا خوانِ محمدؐ
مرے قربان ہوتے ہیں ملائک | ہوا ہوں جب سے قربانِ محمدؐ

قدسی کی مشہور فارسی نعتیہ غزل پر جوشِ عقیدت سے بند لگائے ہیں۔

تری ہمت کے برابر تری عالی نسبی | تو ہے آب و گہرِ ہاشمی و مطلبی
جبکہ ایسا ہو خدا چاہئے ایسا ہی نبیؐ | مرحبا سیدِ مکّی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پیکرِ خاک کہاں اور کہاں نورِ خدا | رفعتِ عرش کہاں اور کہاں تحت ثریٰ
ہے تفاوت سا تفاوت زکجا تا بکجا | نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را

برتر از آدمؑ و عالم تو چہ عالی نسبی

کسکی تشخیص میں آوے مرضِ فتنہ دلی | آج تک کوئی دوا درد کی عارف نے نہ کی
ہو سکے تیرے سوا کس سے مری چارہ گری | سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

عارف کا کلام مدح اہلبیت میں — عارف کو سیدنا امام حسینؓ اور شہدائے کربلا سے خاص عقیدت تھی امام مظلومؓ کی شان میں انھوں نے متعدد چیزیں کہی ہیں ایک جگہ امام عالیمقام کی مدح

بطرزِ سلام کی ہے۔ اس مدح کے لفظ لفظ سے جوشِ ایمان اور خلوص ٹپکا پڑتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

رتبہ جو ہے مجرئ آلِ عبا کے واسطے — فخر کرتے گریہ ہوتا انبیا کے واسطے
وحدتِ روحانی شبیر و پیغمبر کو دیکھ — ہوگئی گویا شہادت مصطفےٰ کیواسطے
شکر للہ ہوں عزاداروں میں اُسکی سرخرو — خون روتا ہوں شہیدِ کربلا کے واسطے
رات دن کھاتا ہوں میں عارف غمِ آلِ نبیؐ — دل مرا معدہ بنا ہے اس غذا کیواسطے

پھر دوسرے سلام میں کہتے ہیں۔

سلام قبلۂ حاجات دو جہاں پر ہے — جہاں کو سجدہ روا جسکے آستاں پر ہے
جزائے صبر جو موقوف امتحاں پر ہے — جفاؤ جورِ شہنشاہ انس و جاں پر ہے
مرا ہوں ترے غم میں مرے مقابل آئے — خضر کو ناز اگر عمر جاوداں پر ہے
فرشتے غم میں سہی پر مری طرح عارف — انھیں اُڑانے کو کیا خاک آسماں پر ہے

عارف کا کلام مدح صحابہؓ میں

عارف مرحوم خوش عقیدہ انسان تھے۔ اہلبیت اطہار سے ان کو دلی عقیدت تھی ان کی یہ عقیدت محبت مخلصانہ اور تعصب مذہبی سے پاک تھی۔ امام مظلومؑ کی اس زبردست قربانی کو وہ اس نظر سے دیکھتے تھے جیسا کہ ایک اہلِ دل انسان کو دیکھنا چاہئے لیکن اُن کے اس پاکیزہ جذبے کو جو محض ان کی حساس طبیعت کا جوہر تھا۔ بیوقوف لوگوں نے مذہبی رنگ دینا چاہا۔ عام طور پر خیال کیا جانے لگا کہ حضرت غالب کی معیت نے ان کے تخیل کو تبدیل کر دیا ہے۔ اسی عام خیال کے متعلق عارف نے خود جو نیر و محو سے چشمک ہوجانے پر قطعہ حضرت غالب کی خدمت میں بھیجا تھا لکھا ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط تھا۔ درحقیقت عارف شیعہ نہ تھے۔ ان کے دیوان میں ہم کو اس کی تردید کے لئے کافی مسالہ مل جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں کہتے ہیں۔

اے زد جاں آفریں کو کرکے کہتا ہوں گواہ ۔ گر نہ تیرا عشق ہو تو میں رو سیاہ
لائقِ تختِ خلافت ہے ازل سے تیری ذات ۔ تجھکو ارزانی ہو یہ اے بادشاہِ دیں پناہ
کیا شجاعت کے تری اوصاف ہوں مجھ سے رقم ۔ دیکھکر شیرِ خدا کہتے ہیں جکو واہ واہ
عرشِ منزل جو کہے تجھکو نہ سمجھا تجھکو آہ ۔ روضۂ خیر البشر میں جب ہو تیری خوابگاہ

اگر لوگوں کا کہنا صحیح ہوتا تو عارف مرحوم کے قلم سے اس عقیدت کا اظہار کس طرح ممکن تھا۔ لہذا یہ اُن کی خوش عقیدگی پر ایک بیجا اتہام تھا۔ شاعر عام انسانوں سے الگ ایک بلند نظر ہستی ہے جو ہر اس انسان کے کارناموں کو سراہتی ہے جسکی ذات اہلِ عالم کیلئے سود مند ثابت ہو

عارف کا کلام اپنے پیر طریقت کی شان میں

حضرت مولانا فخر الدین نواب احمد بخش خان فخر الدولہ بہادر رئیس جھرکہ فیروزپور لوہارو کے پیر تھے۔ تمام خاندان کو آپ سے بیعت تھی اور عقیدت تھی۔ عارف مرحوم بھی حضرت اقدس کے مرید با اخلاص تھے اور ان کی شان میں کئی چیزیں لکھی ہیں جس کا کچھ حصہ پیش کرنے کا فخر میں حاصل کر رہی ہوں۔ ایک ترجیع بند میں جوشِ عقیدت سے بیخود ہو کر کہتے ہیں

کیا ہی بیاں ہو کس سے مقدورِ فخرِ دیں ۔ ہوتا ہے وہی جو کہ ہو منظورِ فخرِ دیں
خادم کوئی کسے کہتے ہیں مخدومِ خاص و عام ۔ آمر ہے دو جہاں میں مامورِ فخرِ دیں
کرتا ہوں عرض رو کے یہ میں ہو کے با ادب ۔ استادہ ہو کے سوئے روضۂ پر نورِ فخرِ دیں
آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ۔ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

پھر دوسری جگہ اس طرح مدح حضرت میں گلفشانی فرماتے ہیں۔

ہوئی پھر انجمنِ عرس قطبِ ربانی ۔ بہ بست و ہفتم ماہِ جمادی الثانی
رکھے جو آن اس آستاں پہ پیشانی ۔ تو بھول جائے مہ و مہر کی درخشانی
جب اس مقام پہ ہو خوابگاہِ فخرِ دیں ۔ زمیں سے تا بفلک کیوں نہ ہوئے نورانی

عارف و معروف

عارف نے اپنے نانا نواب الٰہی بخش خاں معروف کے جو ایک کہنہ مشق شاعر تھے اشعار پر بھی بند لگائے ہیں۔ دو بند ملاحظہ کیجئے۔

اس طرح میں تو کبھی نقش بدیوار نہ تھا / دیکھتا سوئے فلک رنج میں سو بار نہ تھا
چشم حیران نہ تھی نالہ شرربار نہ تھا / جب تلک زلف میں دل اُسکی گرفتار نہ تھا
سرِ مو غم سے کبھی مجھکو سروکار نہ تھا

یہ تو مانا کہ وہ بیہوش تھا ہشیار نہ تھا / لیک کچھ اس کو مرض نام کو زنہار نہ تھا
ایک میسر یہ ترا شربتِ دیدار نہ تھا / تیرے بیمار کو دیکھا تو وہ بیمار نہ تھا
دردِ فرقت کے سوا اور کچھ آزار نہ تھا

حضرتِ عارف نے جرأت کی ایک غزل پر بھی تضمین کی ہے لیکن وہ فنی اعتبار سے کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ پھر جرأت کی عریاں گوئی مشہور ہے۔ اسلئے یہاں اسکا نقل کرنا غیر ضروری اور نامناسب بھی ہے۔

عارف کا فارسی کلام

دیوان میں عارف کا کچھ فارسی کلام بھی ہے جو چند غزلوں پر مشتمل ہے۔ عارف مرحوم کی فارسی شعر کہنے کی قابلیت اردو سے کم نہیں تھی۔ انھوں نے عرفی جیسے فارسی کے بلند پایہ شاعر کی غزل پر غزل کہی ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک وہ کامیاب رہے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اردو سے زیادہ شغف تھا کیونکہ فارسی میں انھوں نے صرف تین غزلیں کہی ہیں ان کے علاوہ چند چیزیں اور ہیں۔ یہ گمان غالب ہے کہ اُن کے فارسی کلام کا بیشتر حصہ غدر کے زمانے میں تلف ہوگیا ورنہ حضرت غالب کا فیضانِ صحبت اور عارف جیسا خوش فکر یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف اِن چیزوں پر ہی اکتفا کرتا۔ ذیل میں اس غزل کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جو عارف مرحوم نے عرفی کی غزل پر کہے ہیں۔

امروز نقدِ عیش چرا می دہی ز کف / از عقل نیست در غمِ فردا گریستن
محو است در تصورِ حسنِ تو چشمِ من / دیگر چہ کار ماند مرا با گریستن

سر زند بروں ز کلبۂ من سیل اشکِ من		پنہاں نماند راز ز تنہا گریستن
رحم آمدش ببے اثریہائے گریہ ام		ضائع نہ گشت درونِ شبہا گریستن
ساقی مگر بخشم گلویش فشردہ!		کاغاز کرد شیشۂ صہبا گریستن
مانند سوئے باغِ جناں گرز کوئے دوست		باید بزیر سایۂ طوبیٰ گریستن
منت بود بچشم من از روزن درش		زیں راہ کردہ دوست تماشا گریستن

مشہور اردو شعراء کے علاوہ عارف نے فارسی کے نامور شعراء کی غزلوں پر بھی تضمین کی ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازی کی غزل ہے "دل سراپردۂ محبت اوست + دیدہ آئینہ دار طلعت اوست" عارف نے اس پر بھی اشعار کہے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان اشعار سے عارف کی جدت پسندی اور شوخیٔ طبع تو ضرور معلوم ہوتی ہے مگر اشعار میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ پھر فارسی اشعار کے ساتھ اردو کا پیوند لوں بھی کچھ بھلا نہیں لگتا۔

ایک قطعہ میں اپنے عزیز دوست نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ یہ ایک دلچسپ طنزیہ چیز ہے۔

ہاں دہاں میرزا ضیاء الدین		ایں پیام جاں فرستادے
گوئیا بر شکوۂ فرتوت		باز عمرِ جواں فرستادے
تابر آیم ببام شکوہ فراز		آہنی نردباں فرستادے
مرجا مرجا کہ اے عارف		رشک برہمناں فرستادے
چوں شنید غزل دگر بشنو		کہ چو نثرم عیاں فرستادے
نظم سنے نثر نے لغاتِ عرب		داستاں داستاں فرستادے
من فرستادہ ام گلِ جنت		تو گلِ گلستاں فرستادے

بجر دکان ہدیہ کردہ ام بہ تو — تو متاعِ دکاں فرستادے
من ز طوبیٰ بریدہ ام شاخ — تو عصا خیزراں فرستادے
مغزِ جاں است اینکہ می بینی — تو مرا استخواں فرستادے
بہ تو خندید زادۂ طبعم — کہ من ایں وتو آں فرستادے

فارسی تاریخیں بھی دو ہیں ایک مرزا فخرو فتح الملک بہادر کے منظوم خط کی اور دوسری مولوی کریم الدین کے تذکرے گلستانِ سخن کی پہلی تاریخ ذیل میں درج ہے۔

قلم شاہزادۂ فتح الملک — چوں بجنبید در بیاں یکبار
چوں رگ ابر ماہ نیسانی — سیر اوراق گشت گوہر بار
خطِ منظوم از ورق انگیخت — چوں خط نوخطانِ ماہِ رخسار
سالِ تاریخ ایں خطِ منظوم — عارف از فضل داورِ دادار
سرِ بدخواہ را برید و دگر — از سرِ ناز گفت باغ وبہار

کلامِ عارف کے اس تھوڑے حصے سے جو میں نے پیش کیا ہے نکتہ سنج اصحاب کو واضح ہوجائیگا کہ ان کا تخیل کس قدر بلند تھا۔ موت کے ظالم ہاتھوں نے انکی بہارِ زندگی اگر قبل از وقت نہ لوٹ لی ہوتی تو یقین تھا کہ مرزا غالب کے صحیح جانشین عارف ہی بن سکتے لیکن اس تھوڑے عرصے میں انھوں نے توسنِ طبع کی جو جولانیاں دکھائیں وہ اہلِ ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کرنے کیلئے کافی ہیں۔

کاش کہ ان کا وہ کلام مل جاتا جو غدر کی ہنگامہ خیزیوں میں تلف ہوگیا۔ خدا جانے کتنے جواہر پارے اس قیامت خیز تلاطم میں گم ہوگئے جنکا حاصل کرنا اب ممکن نہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نواب زین العابدین خاں عارف اپنے معاصرین میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے